© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

ایک ایک اور دو گیارہ، اگرچہ سادہ سا محاورہ ہے لیکن ایک نہایت اہم نفسیاتی حقیقت کا شارح اور ترجمان ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب دو انسان باہم مل کر اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو کسی کام پر لگاتے ہیں تو اس اتفاق و اتحاد کی وجہ سے وہ دو آدمیوں کی قوت نہیں رہتی بلکہ گیارہ آدمیوں کی قوت بن جاتی ہے جس طرح آلہ مکبر الصوت ہلکی پھلکی آواز میں قوت و توانائی پیدا کر کے اُسے دور دراز گوشوں تک نشر کرتا ہے بالکل اسی طرح اجتماعی جدوجہد انفرادی کوششوں کے اندر غیر معمولی طاقت پیدا کر کے انہیں حیرت انگیز حد تک مؤثر بنا دیتی ہے۔

اتفاق و اتحاد بجائے خود طاقت کا سرچشمہ ہے لیکن جب یہ اتحاد کسی نیک اور پاکیزہ مقصد کے لیے قائم کیا جاتا ہے تو اس میں "غیر معمولی برکت" پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ "برکت" کچھ یونہی محض بخت و اتفاق سے معرضِ وجود میں نہیں آتی بلکہ یہ بعض ٹھوس اسباب کا بالکل فطری ثمرہ ہوتی ہے۔ جب چند انسان ایک قافلے کی صورت میں کسی اعلیٰ اور ارفع مقصد کی طرف بڑھتے ہیں تو اُس کے نتیجے میں ایک ایسا ماحول تیار ہو جاتا ہے جو افراد کے دلوں میں اس مقصد کے لیے غیر معمولی محبت پیدا کر دیتا ہے۔ اس ماحول میں ہر سانس کے ساتھ اس ماحول کے حیات آفریں اثرات خود بخود آدمی کے قلب و دماغ کی اتھاہ گہرائیوں میں اُترتے چلے جاتے ہیں۔ اُس کے اندر جو قوت و توانائی آتی ہے اُس میں اسی صحت مند ماحول کے عناصر شامل ہوتے ہیں، وہ جب اپنے گردوپیش پر نگاہ ڈالتا ہے تو اُس کی نظروں کے سامنے اسی ماحول کے حسین اور دلکش مناظر آتے ہیں۔ الغرض اس کی زندگی کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی گوشہ اور اس کے قلب و دماغ کا کوئی ریشہ ایسا نہیں ہوتا جس پر اس کے گہرے اثرات مترتب نہ ہوں۔ اور یہی چیز اُس کے اندر مقصد کی بے پناہ لگن اور اس کے حصول کے لیے غیر متزلزل عزم اور ارادہ پیدا کرتی ہے۔

پھر اجتماعی جدوجہد کی قوت کا راز اس بات میں بھی مضمر ہے کہ افراد کی خداداد صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت الگ الگ صلاحیتیں دی ہیں۔ کسی شخص کو قسامِ ازل سے حیرت انگیز قوتِ گویائی ملتی ہے اور وہ اس کے سحر سے لوگوں کو مسحور کر لیتا ہے، کسی کو قلم کی طاقت عطا ہوتی ہے۔ اور وہ اس کی مدد سے افکار و جذبات کی دنیا میں ایک تلاطم برپا کر دیتا ہے۔ کسی کو بے پناہ تنظیمی صلاحیت سے نوازا جاتا ہے اور وہ منتشر افراد کو ایک مرکز پر جمع کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ کسی کے اندر غیر معمولی جرأت اور بے باکی ہوتی ہے اور وہ جباروں اور قہاروں کے پندار کو ختم کر کے رکھ دیتا ہے۔ بعض لوگوں کو رحیم و کریم ذات قلبی سوز و گداز، روحانی لطافت و طہارت سے سرفراز فرماتی ہے اور وہ اس دولت کے ذریعہ لوگوں کے تزکیۂ نفس کا سامان کرتے ہیں ؎

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونقِ چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

انسانی صلاحیتوں کے یہ رنگا رنگ مظاہر اپنی جگہ پر خواہ کتنے دلکش ہوں لیکن اُس وقت تک اپنی اصلی بہار نہیں دکھا سکتے جب تک کہ یہ باہم مل کر کسی گلستان کی زینت کا سامان نہ بن جائیں۔ چمن کی سازگار فضا ہی ان کے نکھار کے لیے صحیح اور مناسب مواقع فراہم کر سکتی ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے بیان کی قدرت عطا کی ہے تو اس کی صحیح تربیت کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے اندر روحانی سوز بھی پیدا ہو تاکہ اُس کے کلام سے دلوں کی انگیٹھیاں گرمی اور حرارت حاصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کریں۔ اسی طرح اگر کسی فرد میں جرأت و بے باکی بدرجۂ اتم موجود ہے لیکن اُس کی زندگی توازن اور اعتدال سے خالی ہے تو وہ انسانیت کے لیے کسی طرح بھی فائدہ مند نہیں ہو سکتا۔ انسانیت کی فلاح اسی وقت ممکن ہے جب جوش و ہوش ایک دوسرے کے ہمعناں اور قوت و جبروت اور فقر و انکسار ایک دوسرے کے ہمرکاب رہیں۔ اور یہ مقصد صرف اجتماعی زندگی میں ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

اجتماعی جدوجہد نہ صرف مختلف صلاحیتوں کو ایک مقام پر مرتکز کرنے کا مؤثر ذریعہ ہے بلکہ اس کی مدد سے بسا اوقات کمزوروں اور ناتوانوں کے اندر فکر و عمل کی غیر معمولی قوتیں ابھر آتی ہیں فطرت نے اپنے عطیات کی تقسیم میں کسی فرد کے ساتھ ناانصافی سے کام نہیں لیا۔ ہر انسان کو اُن میں سے مناسب اور معقول حصہ ملا ہے۔ مگر ماحول کی ناسازگاری، اور حالات کی نامساعدت کی وجہ سے یہ صلاحیتیں صحیح انداز پر پرورش نہیں پا سکتیں اور ٹھٹھر کر رہ جاتی ہیں۔ حیات اجتماعی ان خفتہ بلکہ افسردہ قوتوں کو زندگی کی حرارت اور ولولہ بخشتی ہے اور پھر انہیں صحیح اور مناسب کام پہ لگاتی ہے۔

اس کے علاوہ چند انسان جب یک جان ہو کر اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو کسی بلند و برتر مقصد میں کھپانے کا فیصلہ کرتے ہیں تو اُن کے اندر بعض ایسی ارفع و اعلیٰ صفات پیدا ہو جاتی ہیں جو انسانیت کا بیش قیمت اثاثہ اور سرمایۂ حیات ہیں۔ ان میں سب سے پہلی صفت جذبۂ ایثار ہے۔ ایثار کے بغیر کسی ہیئت اجتماعی کا تصور نہیں کیا جا سکتا بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ایثار ہی وہ زادِ راہ ہے جس کے بل بوتے پر انسانوں کا کوئی قافلہ کسی خاص نصب العین کی طرف بڑھتا ہے تو یہ زیادہ صحیح ہوگا۔ اس پُونجی کے بغیر ایک قدم بھی کامیابی کے ساتھ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ اجتماعی زندگی افراد سے زر و مال کی قربانی، اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کی قربانی اور جذبات و احساسات کی قربانی کا تقاضا کرتی ہے۔ انسان اپنے افکار و نظریات میں، اپنے میلانات اور رجحانات میں، ایک دوسرے سے اتنے مختلف ہیں کہ جب تک کسر و انکسار سے کام لیکر اپنے تصورات و احساسات کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ کر لیں یا کم از کم کسی تصور کی محبت میں سرشار ہو کر وہ معمولی اختلافات کو برداشت کرنے پر آمادہ نہ ہو جائیں اس وقت تک کسی کامیاب اجتماعی زندگی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

نقطۂ نظر کے اختلاف میں رواداری اور وسعتِ قلبی، یہ وہ بنیادیں ہیں جن پر حیاتِ اجتماعی کی رفیع الشان عمارت اٹھائی جاتی ہے۔ آپ خود ہی غور کریں کہ ہمارے سوچنے اور سمجھنے کے انداز، ہمارے اطوار اور ہماری عادات ایک دوسرے سے کتنی مختلف ہیں لیکن اس کے باوجود ہم سب ایک ہی معاشرے سے وابستہ ہیں۔ سوسائٹی کے ان مائل بہ انتشار اجزا کو آخر کس چیز نے ایک دوسرے سے پیوستہ کر رکھا ہے۔ اس مسئلہ پر آپ جس قدر سوچ بچار کریں گے آپ کو معلوم ہو گا کہ رواداری ہی وہ اصل مقناطیسی قوت ہے جو ان مختلف اجزا کو جوڑے ہوئے ہے۔ اگر ہم میں سے ہر شخص یہ طے کر لے کہ اُس کے پسندیدہ نظریات کا ہی معاشرہ میں سکہ چلے گا، اس کا ذوق ہی اس کا قانون ہو گا، اُس کے رجحانات کے مطابق عام لوگوں کے رجحانات ڈھالے جائیں گے اور اس معاملے میں کسی شخص کو کوئی رعایت نہ دی جائے گی تو اجتماعی زندگی کا شیرازہ بہت جلد منتشر ہو کر رہ جائیگا۔

اجتماعی زندگی کے قیام کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ جہاں ہم دوسرے کے افکار و تصورات پر اثر انداز ہو کر ان کے اندر مناسب تبدیلیاں پیدا کرنے کی کوشش کریں وہاں ہم خود اپنے تخیلات کا جائزہ لیکر اُن کے اندر بھی بعض ایسی ترامیم کرنے پر آمادہ ہو جائیں جن سے کسی معاشرے کا اجتماعی تخیل متصادم نہ ہونے پائے۔ یہ ابن الوقتی اور منافقت نہیں بلکہ ایثار اور رواداری ہے جس کے بغیر حیاتِ اجتماعی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک ایسی صفت ہے جس کو اپنائے بغیر سوسائٹی کی تنظیم ناممکن ہے۔ یہ انسان کے ظرف اور اس کے ذوقِ تناسب کی بدیہی شہادت ہے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ انسان معاشرہ کے مجموعی مفاد کی خاطر اپنے ذوق تک کی قربانی دینے کے لیے تیار ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہماری ان گذارشات سے کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ہم اصولوں کے معاملے میں کسی مداہنت کے قائل ہیں۔ ہم اس قسم کی "رواداری" یا وسعتِ قلبی سے جس سے اصولوں پر زد پڑتی ہو، خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ ہم البتہ جس چیز کے قائل ہیں اور جسے ہم اجتماعی زندگی کی تشکیل کے لیے ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہمارے اصول جہاں تک ہمیں اجازت دیں اُس حد تک ہمیں دوسرے کے نقطۂ نظر کو برداشت کرنے کی اپنے اندر ہمت پیدا کرنی چاہیے۔ اصولوں کے اندر بھی کسی قدر وسعت ہوتی ہے اور ان کے دامن میں جتنے افکار و نظریات اور جتنے تصورات و میلانات سمیٹے جا سکیں انہیں سمیٹنے میں ہمیں بخل اور تنگ نظری سے کام نہ لینا چاہیے۔

آپ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے اختلافات کا اگر گہرائی میں اتر کر مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جن مسائل کو ان فرقوں کے رہنما بنیادی مسائل سمجھ کر ایک دوسرے کے درپے آزار ہیں۔ وہ کسی لحاظ سے بھی "اساسی نظریات" کے زمرے میں نہیں آتے۔ اُن کی حیثیت فروعات کی سی ہوتی ہے جن کے بارے میں متعدد آراء ممکن ہیں۔ لیکن ہم اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے انہیں بنیادی اور اساسی معتقدات تسلیم کروانے پر مُصر ہیں۔

اصول و فروع کے درمیان فطری امتیاز کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے ہماری حیاتِ اجتماعی میں سخت انتشار پیدا ہو گیا ہے۔ ہماری زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو اپنی اصلی حالت پر قائم ہو۔ کسی صحت مند اجتماعی نظم کے لیے یہ چیز انتہائی ضروری ہے کہ اُس کے اندر اقدارِ حیات کے مابین اُسی تناسب کو برقرار رکھا جائے جس کا کہ وہ نظام مقتضی ہے۔ اگر اقدار کی فطری ترتیب کو درہم برہم کر کے اپنے ذوق اور رجحان کے مطابق اُن کے درمیان کوئی نئی ترتیب قائم کی جائے گی تو اس سے سارے نظام میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔ ہمارے ہاں آج فکر و نظر کی جو کجی اور جذبہ و احساس کے اندر جو عدم توازن دکھائی دیتا ہے وہ اقدارِ حیات کے اسی اختلال کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فطری نتیجہ ہے۔

آپ نے بارہا اس چیز کو محسوس کیا ہوگا کہ ملّتِ اسلامیہ کی عظیم اکثریت اسلام سے الہانہ لگاؤ رکھتی ہے۔ اس کی عزت کے لیے ہر قسم کی قربانی کرنے پر تیار رہتی ہے۔ لیکن ان مقدس احساسات اور جذبات کے ہوتے ہوئے بھی اس کی بگڑی نہیں بنتی۔ اس کی وجہ ہمارے نزدیک صرف ایک ہی ہے کہ اس کی بیشتر صلاحیتیں اور قوتیں اُن کاموں میں ضائع ہو رہی ہیں جو اسلام میں یا تو سرے سے مقصود ہی نہیں ہیں، یا اگر کسی حد تک مطلوب ہیں تو اُن کی حیثیت بالکل ثانوی ہے۔ اسلام میں جن امور کو اولیت کا شرف حاصل ہے انہیں اگر اپنے اصل مقام سے ہٹا کر کچھ دوسری چیزوں کو اپنے رجحان کے مطابق اس بلند و بالا منصب پر فائز کیا جائے گا تو اس سے پورا نظام تہ و بالا ہو جاتے گا اور ہمارا اخلاص ہمارا جذبۂ ایثار، ہماری اسلام سے غیر معمولی محبت اور وابستگی دین کے لیے کچھ زیادہ مفید اور کارآمد ثابت نہ ہوگی۔ دین کی سربلندی کے لیے جہاں حسنِ نیت اور حسنِ عمل لازمی شرائط ہیں وہاں فکر و نظر میں صحت اور جذبہ و احساس میں توازن بھی ضروری ہے۔ اگر فکر و نظر کے زاویے صحیح اور درست نہ ہوں تو پھر اقدارِ حیات کی ترتیب میں بنیادی طور پر سُقم رہ جاتا ہے اور اس سقم کی موجودگی میں کوئی کوشش بھی نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکتی۔

ہم یہ بات کسی فخر و مباہات کی بنا پر نہیں بلکہ محض تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کرتے ہیں کہ جماعت اسلامی نے اسلامی اقدارِ حیات کی ترتیب کو درست کرنے میں خداوند تعالیٰ کے فضل سے بہت بڑی خدمت سر انجام دی ہے۔ یہ اس کی حقیر کوششوں کا ثمرہ ہے کہ مسلم سوسائٹی کے مختلف طبقوں کے درمیان اختلاف کی جو وسیع خلیج حائل تھی وہ آہستہ آہستہ کم ہو رہی ہے اور مختلف گروہ اور فرقے دینِ حق کے نفاذ کے ارفع و اعلیٰ مقصد کے پیشِ نظر ایک دوسرے کی طرف دستِ تعاون بڑھا رہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ آپ کو اگر جماعت کی اس خدمت کا اندازہ لگانا مقصود ہو تو براہ کرم اس کے سالانہ اجتماع میں جو اسی سال ۲۵ سے ۲۸ اکتوبر کو لاہور میں منعقد ہو رہا ہے تشریف لائیے اور دیکھیے کہ اصول و فروع کے درمیان کس قدر صحت مندانہ توازن برقرار رکھا ہے اور اس وجہ سے ان کے مابین اخوت و محبت کے کتنے مضبوط رشتے اُستوار ہوتے ہیں۔ یہاں آپ کو جدید تعلیم یافتہ طبقے اور قدیم طرز کے علماء کے درمیان کوئی بُعد اور بیگانگی محسوس نہ ہو گی بلکہ دونوں کے درمیان یک جہتی اور اتحاد دکھائی دےگا۔ مختلف فقہی مسالک سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان کسی قسم کی کوئی تلخی اور رنجش محسوس نہ ہو گی بلکہ ان کے سینوں میں ایک دوسرے کے لیے خیر سگالی اور محبت کے جذبات موجزن نظر آئیں گے۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ فروعی مسائل میں دست و گریباں ہونے کی بجائے اصول اور کلیات کی خاطر ایک دوسرے کے دلسوز، فدائی اور دمساز رفیق بننے کے لیے بیتاب ہوں گے۔

میری ان گزارشات کا یہ مقصد نہیں کہ جماعت اسلامی "من و تو" کے سارے جھگڑے ختم کر دینے کا ارادہ رکھتی ہے۔ انسانوں کے درمیان اختلافات کا ہونا بالکل فطری [illegible] ہمارے سوچنے اور سمجھنے کے انداز، ہمارے احساسات و جذبات میں قدرتی طور پر اختلافات پائے جاتے ہیں اس لیے انہیں یکسر مٹانا ایک ناممکن العمل سی بات ہے۔ جماعت اسلامی اس قسم کے غیر فطری پروگرام میں اپنی قوتیں صرف کرنا کسی طرح بھی سودمند نہیں سمجھتی۔ وہ اس ضمن میں جو کچھ کرنے کا عزم رکھتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی اصولوں پر ان تمام لوگوں کو جمع کر دیا جائے جو دل میں دین کا کچھ درد رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں ان اختلافات کو برداشت کرنے اور ان کے معاملے میں رواداری برتنے کی تربیت دی جاتی ہے جن کی اسلام میں کوئی گنجائش موجود ہے۔ یہ ہے وہ طریق جس کے ذریعہ امت کے مختلف طبقات کے درمیان جماعت اسلامی نے اتحاد پیدا کرنے کی سعی کی ہے۔

جس طرح کسی شخص کی تندرستی کا صحیح اندازہ کسی وقتی اور عارضی تکلیف سے نہیں بلکہ اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عام معیارِ صحت سے کیا جاتا ہے بالکل اسی طرح کسی معاشرے کی اخلاقی حالت کا فیصلہ اِکا دکا واقعات سے نہیں بلکہ عام رجحانات سے کیا جا سکتا ہے۔

اس معروف اصول کو سامنے رکھ کر جب ہم پاکستان کی مسلم سوسائٹی کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں سخت تشویش لاحق ہوتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم کو آبرو باختہ بنانے کا تہیہ کر لیا گیا ہے۔ ایک طرف اُن ساری قوتوں کو اُبھارا جا رہا ہے جن کی وجہ سے لوگوں کے اندر فکری انتشار پیدا ہو اور اُن کے ایمان متزلزل ہوں اور دوسری طرف فسق و فجور کو جو اسلام کی عین ضد ہے معاشرے کے رگ و پے میں ایک لگے بندھے منصوبے کے تحت اتارنے کی مختلف تدبیریں ہو رہی ہیں۔

اس ملک کا مغرب زدہ طبقہ جس کے ہاتھ میں اس وقت قوم کی سربراہی کا منصب بھی ہے وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے کہ ایمان اور اخلاق کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اگر کوئی قوت مسلمانوں سے اُن کا اخلاق سلب کرنے میں کامیاب ہو جائے تو پھر ایمان کا خود بخود جنازہ نکل جائے گا اور اسے غارت کرنے میں اُسے کوئی الگ جدوجہد نہ کرنا پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ اُس نے کبھی بھی کسی بداخلاق فرد قوم یا گروہ کو دین کی خدمت کا مقدس فرض نہیں سونپا۔ اُس نے اس کے لیے غریبوں اور ناداروں کو، غلاموں اور بے کسوں کو، کمزوروں اور ناتوانوں کو تو منتخب کیا ہے لیکن فساق و فجار کو کبھی یہ موقع فراہم نہیں کیا کہ وہ دین کی حفاظت اور پاسبانی کا فریضہ ادا کریں۔

ہمارے ہاں اخلاق کو جو دین کے لیے ایک بنیادی شرط ہے جس طرح برباد کیا جا رہا ہے اُس کے اندازے کے لیے کسی گہری تحقیق کی ضرورت نہیں۔ صرف اخبارات پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈال لیجیے یا اپنے گرد و پیش کا سرسری سا جائزہ لیجیے تو آپ کو دھارے کا رُخ بڑی آسانی سے معلوم ہو سکے گا ہم یہاں صرف دو واقعات نقل کرتے ہیں جن سے صورتِ حال کی سنگینی کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جماعت اسلامی کے مرکز کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد میں سرگودھا کے ایک معروف عالم خطبۂ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جمعہ میں حضور سرورِ کائنات کی حیاتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کر رہے تھے کہ اچانک ایک سپاہی نمودار ہوا اور اس نے کہا کہ یہاں لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ فاضل مقرر نے اُس کے حکم کے مطابق اس کے بغیر ہی تقریر کو جاری رکھا۔ لیکن چند منٹوں کے بعد پھر ایک سنتری آدھمکا اور اُس نے مولانا کو تقریر کرنے سے روک دیا۔ اس ضمن میں یہ ذہن نشین رہے کہ اس تقریر کا "سیاست" سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا۔

پھر اسی مسجد کے امام جو ایک درویش صفت بزرگ ہیں انہیں تھانے میں بلا کر اُن کی تذلیل کی گئی۔ اُن بیچاروں کا جُرم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ فجر کی نماز کے بعد لاؤڈ اسپیکر پر درس قرآنِ مجید دیا کرتے تھے۔ انہوں نے ہر طرح عذر خواہی کرنا چاہی لیکن ایک نہ سنی گئی اور اس وقت تک رہائی نہ ملی جب تک کہ محلے کے معززین نے تھانیدار کو اس بات کی ضمانت نہ دے دی کہ وہ آئندہ درسِ قرآن کے لیے لاؤڈ اسپیکر استعمال نہیں کریں گے۔

اسی قسم کا انسانیت سوز سلوک پاکستان کے ایک مشہور عالم کے ساتھ رحمان پورہ (لاہور) کی جامع مسجد میں کیا گیا۔ وہ خطبۂ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے کہ انہیں لاؤڈ اسپیکر کے بند کرنے کے احکام جاری کیے گئے۔

ہماری عقل یہ باور نہیں کر سکتی کہ اس قسم کے عاقبت نا اندیشانہ اقدام کوئی تھانیدار اپنی ذمہ داری پر کرنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ یہ "عالمِ بالا" کے اشاروں کی تعمیل معلوم ہوتی ہے۔ پھر اس معاملہ کا سب سے تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ اس قسم کے احمقانہ احکام کو جس انداز سے نافذ کیا جاتا ہے وہ انتہائی شرمناک ہے۔ اسے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس ملک کا نوکر شاہی طبقہ مسلمانوں کے احساسات و جذبات سے بالکل ناآشنا ہے اور وہ انہیں مجروح کرنے اور صدمہ پہنچانے میں راحت محسوس کرتا ہے۔

گل برگ (لاہور) کے صنعتی ایریا کی مسجد کا انہدام اس کی تازہ ترین مثال ہے۔ مسلمانوں کا شاید ہی کوئی طبقہ ایسا ہو گا جس نے اصحابِ اختیار کو اس ناپاک عزم کی تکمیل سے باز رہنے کی تلقین نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ہو لیکن عوام کا شدید احتجاج بالکل بے اثر ثابت ہُوا اور بالآخر یہ مسجد پیوندِ خاک کر دی گئی۔ یہ اتنا بڑا سانحہ آخر کیوں پیش آیا؟ اس کی وجہ ہمارے نزدیک ایک ہی ہے کہ اس ملک کا برسرِ اقتدار طبقہ مساجد کی عظمت سے قطعاً ناواقف ہے۔ اگر اس کے دل میں اس کا کچھ بھی احساس ہوتا تو وہ کبھی اس ظالمانہ فعل کی جرأت نہ کرتا۔ کیا اس مسجد کے برقرار رہنے کی وجہ سے پاکستان پر آسمان گرنے کا خطرہ تھا جو اس کے مسمار ہو جانے کی وجہ سے ٹل گیا ہے۔

عین انہیں ایام میں جبکہ اسلامی معابد اور اُن کے خادموں کے ساتھ یہ شرمناک سلوک کیا جا رہا تھا، عوام کی نظروں سے یہ خبر بھی گزری ہو گی کہ میکلوڈ روڈ جیسی معروف شاہراہ کے ایک ہوٹل میں نیم عُریاں ناچ کا انتظام کیا گیا ہے۔ یُوں تو اس وقت اسی شہر کے کئی ایک ہوٹلوں میں "ڈنر ڈانس" کے پروگرام ہوتے ہیں اور اخبارات میں اشتہارات کے ذریعہ لوگوں کو "دعوتِ نظارہ" دی جاتی ہے لیکن زیرِ بحث ہوٹل کا معاملہ اس پہلو سے خصوصیت کا حامل ہے کہ جہاں دوسرے ہوٹلوں کے دروازے صرف انتہائی امیر لوگوں کے لیے کھلے ہیں جن کی عظیم اکثریت رقص و سرود کی پہلے ہی سے رسیا ہے وہاں اس ہوٹل کے ذریعہ اوسط اور ادنیٰ طبقہ کے نوجوانوں بالخصوص طلبہ کے اخلاق برباد کرنے کا سامان کیا گیا ہے۔ اور اس خبر کا سب سے زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ جن غیرتمند لوگوں نے اس شرمناک صورتِ حال کو دیکھ کر اس کے راستے میں حائل ہونے کی کوشش کی ہے انہیں ڈرا دھمکا کر اس راہ سے ہٹانے کا انتظام کیا گیا ہے۔

ناچ فسق و فجور کا سرچشمہ ہے۔ اس لیے اسے کسی ایسی مملکت میں برداشت نہیں کیا جا سکتا جو اسلامی نظامِ حیات کے قیام کی دعویدار ہو۔ اسے ہماری بدنصیبی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس ملک کے سربراہوں نے اسلام کے متعلق ہمیشہ بڑے بلند بانگ دعوے کیے ہیں لیکن ان دعووں کے عملی تقاضوں کو کبھی بھی پُورا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ یہاں فسق و فجور پوری قوت کے ساتھ پھیلتا رہا۔ چونکہ سوسائٹی کا عام طبقہ اسے پسند نہ کرتا تھا اس لیے عام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگوں میں یہ سرعت کے ساتھ راہ نہ پا سکا۔ اس کی اخلاق سوز سرگرمیاں زیادہ تر اونچے طبقوں تک محدود رہیں۔ لیکن اب عوام بھی ان کی لپیٹ میں آنے لگے ہیں۔ چنانچہ دیکھیے فحاشی اور بے حیائی کے جو اخلاق سوز مناظر بڑے بڑے ہوٹلوں میں دکھلائے جاتے تھے اب انہیں معمولی ہوٹلوں میں بھی دکھلانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو روگ صرف اونچے طبقے کو لگا ہوا ہے اُس سے اب سوسائٹی کے عام طبقے بھی محفوظ نہ رہ سکیں گے۔

یہ چند واقعات جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے یہ استثنائی مثالیں نہیں بلکہ یہ وہ عام واقعات ہیں جن سے ہمیں ہر دور میں سابقہ پیش آتا ہے اور ہمارے نزدیک یہی چیز سب سے زیادہ پریشان کن ہے۔ ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اب حالات کا دھارا نہایت خطرناک سمت کی طرف بہہ نکلا ہے اور اگر اس کا رُخ موڑنے کی کوشش نہ کی گئی تو پھر اس امت کو کوئی چیز بھی تباہی و بربادی سے بچا نہ سکے گی۔ جس مسلم سوسائٹی میں درسِ قرآن، خطباتِ جمعہ اور مساجد کے ساتھ یہ انسانیت سوز سلوک کیا جائے اور ان کے مقابلے میں فسق و فجور کو پھیلانے کے باقاعدہ منصوبے تیار کیے جائیں اور خود حکومت پورے شعور اور احساس ذمہ داری کے ساتھ ان منصوبوں کی تکمیل کا انتظام کرے اُسے آخر عذابِ الٰہی سے کون سی چیز بچا سکتی ہے۔

حکومتِ پاکستان نے پریس پر تازہ پابندیوں کا آرڈیننس نافذ کر کے جس آمرانہ ذہنیت کا ثبوت دیا ہے، اُس سے پورا ملک تلملا اٹھا ہے۔ اس آرڈیننس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعت اسلامی پاکستان نے جن خدشات کا اظہار فرمایا ہے وہ گہرے غور و فکر کے محتاج ہیں اور امت کے تمام سوچنے سمجھنے والے افراد کو دعوتِ فکر دیتے ہیں انہوں نے ان آرڈیننسوں کی شدید مذمت کرتے ہوئے اربابِ حکومت کو خبردار کیا ہے کہ اگر ان میں کچھ بھی سوجھ بوجھ باقی ہے اور وہ ملک کے اور خود اپنے دشمن نہیں ہو گئے ہیں تو پیشتر اس کے کہ ملک کا وقار دنیا کی نگاہوں میں بالکل ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ختم ہو کر رہ جاتے اور قوم کے اندر مایوسی و بددلی اپنی آخری حد کو پہنچ جاتے وہ اس طرح کی کارروائی کا سلسلہ جلد بند کر دیں۔ اسی سلسلہ میں مولانا نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

"پریس کی آزادی سلب کرنا ایک ڈکٹیٹر شپ کے قیام کی ہمیشہ تمہید ہوا کرتا ہے۔ کوئی ڈکٹیٹر شپ ایک آزاد پریس کے ساتھ نہیں چلا کرتی۔ اس لیے جب کبھی حکمرانوں کو من مانی کرنی ہو اور اپنے کرتوتوں کے بے نقاب ہونے سے وہ بچنا چاہیں تو اُس کے لیے پریس کی آزادی کے اوپر پابندیاں عائد کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ یہ تازہ آرڈیننس درحقیقت اسی ذہنیت کا غماز ہے۔

اس آرڈیننس میں اسمبلیوں اور عدالتوں کی کارروائیوں کی اشاعت پر جو پابندیاں عائد کی گئی ہیں ان کو اور ان کے تاریخی پس منظر کو دیکھ کر صاف محسوس ہوتا ہے کہ پچھلے دنوں بعض عدالتی کارروائیوں میں اور اسمبلی کے اجلاسوں میں برسرِ اقتدار طبقے کے لوگ جس بُری طرح بے نقاب ہوتے ہیں اس سے وہ بوکھلا گئے ہیں اب وہ چاہتے ہیں کہ اپنے کارناموں پر پردہ ڈالنے کا انتظام کریں۔ آرڈیننسوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام کارروائیاں عملاً بند کمروں کی کارروائیاں بن کر رہ جائیں گی۔ اسمبلیوں کی کارروائیوں کے بھی "کاشفِ احوال" پہلو اسمبلی چیمبر تک محدود ہو کر رہ جائیں گے اور اس طرح پبلک کو بے خبر رکھ کر برسرِ اقتدار طبقے کے لوگ زیادہ آسانی سے جمہوریت کے حدود کو توڑ سکیں گے۔ اب ہر شخص یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ اس کے بعد عدالتوں میں مقدمات چلانے اور اسمبلیوں میں بحث کرنے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ دنیا بھر میں یہ بات مسلّم ہے کہ جب تک عدالتوں میں برسرِ عام سماعت نہ ہو، انصاف کی امید نہیں کی جا سکتی، اور برسرِ عام سماعت کے معنی یہ ہیں کہ عدالتی کارروائیاں جیسی کہ وہ ہوں، پریس میں آ جائیں۔ اسی طرح اسمبلیوں کے بننے کا کوئی حاصل نہیں ہے اگر پبلک کو معلوم نہ ہو کہ اسمبلی میں کیا حقائق سامنے آ رہے ہیں اور کس کا کیا کردار ہے۔ جب تک پبلک ان چیزوں سے واقف نہ ہو، انتخابات کے موقع پر وہ کیسے رائے قائم کر سکتی ہے کہ کون اس کے اعتماد کا مستحق ہے اور کون نہیں۔ ہمارے حکمران اگر اپنی قوم کو اس قابل نہیں ہونے دینا چاہتے تو پھر خواہ مخواہ جمہوریت کا ڈھونگ رچانے کی آخر کیا ضرورت ہے۔"

© rasailojaraid.com